خدمت کے جذبے سے جو سرشار تھا
حوصلہ و ہمت میں ہمالیہ پہاڑ تھا
ہمہ وقت قوم کی خدمت کا جنون
سلام رہتا ان کے سر پر سوار تھا

(سلام لاجپوری)

خاندان بسم اللہ کے چشم و چراغ حضرت قاری اسماعیل بسم اللہ رحمہ اللہ کا کچھ ذکر خیر

از قلم۔

عبدالسلام لاجپوری
خادم مسجد قبا، لندن

بسم الله الرحمن الرحیم

موت سب کا مقدر ہے

خوشی ملے یا غم سہنا پڑتا ہے
خدا جس حال میں رکھے رہنا پڑتا ہے
زندگی کو دریا کے پانی کی طرح
وقت کے بہاؤ کے ساتھ بہنا پڑتا ہے
دل کی دنیا میں غم کی لہریں اٹھنے لگے
تو آنکھوں سے آنسوؤں کو بہنا پڑتا ہے
امیر ہو یا غریب شاہ ہو یا گدا
اک روز دنیا کو الوداع کہنا پڑتا ہے

محترم قارئین! گذشتہ ہفتے جامعۃ القراءت کفلیتہ،سورت، گجرات کے روح رواں حضرت قاری اسماعیل بسم اللہ اللہ تعالی کو پیارے ہو گئے،انا للہ وانا الیہ راجعون. ان للہ مااخذ ولہ ما اعطی،وکل شئی عندہ باجل مسمی ترجمہ. بلاشبہ اللہ تعالی ہی کے لئے ہے جو اس نے لیا اور اسی ہی کا ہے جو اس نے عطا کیا اور ہر چیز اس کے پاس مقررہ مدت کے ساتھ ہے۔

نورانی گھرانے میں تولد

حضرت قاری اسماعیل بسم اللہ رحمہ اللہ ایک علمی خاندان کے چشم و چراغ

تھے،آپ نے جہاں آنکھیں کھولی وہ گھر جن ہاتھوں نے اٹھایا وہ ہاتھ اور جس گود میں میٹھی نیند سوئے وہ گود اور جس بستی سے نسبت قائم ہوئی وہ بستی بھی قال اللہ اور قال الرسول کے نعروں سے معمور تھی۔

یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا
ہر اک کا ایسا مقدر کہاں

نام کا اثر

اس کے بعد باری آئی نام رکھنے کی،تو نام تجویز کرنے والوں نے نام تجویز کیا اسماعیل، جو ایک جلیل القدر پیغمبر کا نام ہے،جیسے حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اپنے والد کے ساتھ مل کر بیت اللہ کی تعمیر کی آپ اسے نام کا اثر کہہ لیجئے کہ مرحوم نے بھی بیت اللہ کی شاخ یعنی مسجد بلکہ ایک سے زائد مساجد کی تعمیر کی،من بنی مسجدالله تعالی يبتغی به وجه الله بنی الله له بيتا فی الجنة(مسلم)

آپ کا نام جیسا کہ ذکر کیا اسماعیل تھا،اکثر مرحوم کے چہرے پر smile تیرتی رہتی تھی۔

مرحوم کا نام اسماعیل تھا اور توفیق الٰہی سے مختلف خیر کے کاموں کی جانب مرحوم کا ذہن مائل رہتا تھا۔

سرنیم

سرنیم تھی بسم اللہ، عام انسان تو کچھ بڑا ہوکر بسم اللہ سیکھتا ہے، مرحوم کی تو پیدائش ہی خاندان بسم اللہ میں ہوئی، سرنیم کی برکت کہہ لیجئے کہ مرحوم نے جن کاموں کی اللہ تعالی کے بھروسے پر بسم اللہ کی اللہ تعالی نے اس میں ان کو کامرانی و کامیابی عطا کی، **ذلک فضل الله یوتیه من یشاء، والله یختص برحمته من یشاء، والله ذو الفضل العظیم** اردو شاعر نے اس کو کچھ یوں بیان کیا ہے

ملے جہاں سے کسی کو کانٹے
کسی کے حصے گلاب ٹھہرے
جسے وہ چاہے نوازتا ہے
یہ میرے رب کے حساب ٹھہرے

ایک عظیم سعادت

اللہ تعالی نے آپ کو حفظ قرآن کی دولت سے سرفراز کیا، حفظ قرآن کتنی بڑی دولت ہے اس کا اندازہ اس سے لگایئے، آقا نے فرمایا" **ان الذی لیس فی جوفه شئی من القرآن کالبیت الخرب**، "مفہوم یہ ہے کہ جس کے سینے میں قرآن کریم کا کوئی حصہ نہ ہو وہ بنجر اور ویران گھر کی طرح ہے، تو جس کے سینے میں پورا قرآن کریم ہوگا اس کی قدرومنزلت اللہ تعالی کے یہاں کیا ہوگی سوچا جا سکتا ہے؟ اس تعلق سے صرف دو فضائل ذکر کرتا ہوں۔

عــن عبــد الله بن عمرو ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال يقال لصاحب القرآن اقرأ وارتق ورتل كما كنت ترتل فى الدنيا فان منزلتك عند آخر آية تقرأ بها (ترمذی)

عــن علــى ان النبى صلى الله عليه وسلم قال من قرأ القرآن فـاستـظهـره (اى حـفـظه) فاحل حلاله وحرم حرامه ادخله الله تعالى الجنة وشفعه فى عشرة من اهل بيته كلهم قد وجبت له النار (ترمذی)

پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ

حفظ قرآن کی تکمیل کے بعد آپ نے استاذ الاساتذہ حضرت قاری احمد اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ جن کا جامعہ ڈابھیل سے ایسا رشتہ قائم ہوا کہ زندگی کے آخری سانس تک مرحوم نے تدریسی خدمت انجام دی، آپ کی آخری آرام گاہ بھی سرزمین ڈابھیل ہی میں بنی، اس تعلق سے احقر نے لکھا تھا کہ ؎

جامعہ ڈابھیل کی قسمت تو دیکھئے
کیسے کیسے ہیرے اسے مل گئے
جو مر کے بھی اس سے جدا نہ ہوئے
اس کی مٹی میں بخوشی وہ مل گئے
اے جامعہ کبھی تجھ سے ہم خفا نہ ہوں گے
تو دیکھنا مر کے بھی تجھ سے ہم جدا نہ ہوں گے

اے سر زمین ڈابھیل ترا دل توڑ کر نہیں گئے
ہم بعد از مرگ بھی تجھے چھوڑ کر نہیں گئے

بہر حال! استاد شاگرد کے درمیان ایسا مضبوط اور گہرا رشتہ رہا کہ ایسی مثال دور حاضر میں بہت کم دیکھنے میں آتی ہے۔

عقد نکاح

اس کے بعد مرحلہ آیا نکاح کا، آپ کی نسبت سر زمین لاجپور کے مشہور علمی خانوادہ خاندان کتھرادا (بھائی میاں) سے قائم ہوئی جو اپنی علم دوستی میں مشہور و معروف ہے، اللہ تعالی کو آپ سے آگے چل کر عظیم کام لینا تھا یہ سب اس کے لئے اسباب بن رہے تھے جوان کے اس مشن میں ان کا بھر پور ساتھ نبھائے۔

قدرت میدان ہموار کر رہی تھی

شاہ صوفی سلیمان صاحب لاجپوری رحمہ اللہ کا قائم کردہ علمی چمن بنام مدرسہ اسلامیہ صوفی باغ، سورت میں آپ درجہ حفظ کے مدرس مقرر ہو جاتے ہیں، ساتھ ہی مدرسہ کے انتظامی امور بھی آپ کے متعلق کر دیئے جاتے ہیں، کہنا چاہئے کہ قدرت آگے ان سے جو کام لینے والی تھی اس کے لئے میدان ہموار کر رہی تھی، چار چیزیں آپ کے لئے آگے چلکر ان کے مشن میں معین و مددگار بننے والی تھیں، وہ تھیں (۱) خاندان بسم اللہ سے نسبت (۲) حضرت قاری احمد اللہ صاحبؒ سے قلبی جڑاؤ (۳) خاندان کتھرادا سے سسرالی رشتہ (کسی بھی عظیم مقصد اور مشن میں

کامیابی کے لئے شریک حیات کا ہر دم اور ہر قدم سپورٹ بہت ضروری ہوتا ہے(۴)مدرسہ اسلامیہ صوفی باغ میں تدریس کا آغاز اوراس کے انتظامی امور سے وابستگی۔

تاسیس جامعہ

سن ہجری ۱۴۱۷ھ مطابق ۱۹۹۶ء یہ جامعۃ القراءت کفلیتہ کا سن تاسیس ہے،اس دن حضرت مرحوم نے جامعہ کی بنیاد رکھی، جہاں یہ جامعہ قائم کیا گیااس کو ایک معنی میں جنگل کہہ سکتے ہیں تو گویا آپ نے جنگل میں منگل کا سماں باندھ دیا،ادارہ کا نام تجویز ہوا ’’جامعۃ القراءت،،سنا کہ اس کا نام جامعۃ القراءت،،اس لئے تجویز ہوا کہ مرحوم کے محبوب استاد قاری احمداللہ صاحب بھاگلپوری رحمہ اللہ کی یہ چاہت تھی کہ فن تجوید کی تعلیم جیسا وہ چاہتے تھے جوان کا دلی منشاء تھا اس کے مطابق ہو،اس کے لئے انہیں کسی ایسے پلیٹ فارم یعنی جامعہ کی ضرورت تھی جوان کے شاگرد کا قائم کردہ ہواور وہ شاگردان کے منشاء کے مطابق من وعن کام کرے، حضرت کی یہ قلبی چاہت پوری کی یا کہہ لیجئے پوری ہوئی حضرت قاری اسماعیل بسم اللہ صاحب کے توسط سے،مقصد کے پیش نظر ادارہ کا نام تجویز ہوا ’’جامعۃ القراء ت،،جب یہ جامعہ شروع ہواتو اس میں درجہ عالمیت کے درجات نہیں تھے،درجہ حفظ اورفن تجوید کی کلاسیں تھیں،اول اول تو سنا کہ حضرت قاری احمد اللہ صاحب کی روزانہ جامعہ میں آمد ہوتی تھی،بعد میں ہفتہ میں کبھی دومرتبہ کبھی تین مرتبہ پھر ہفتہ

میں ایک مرتبہ اور پھر.........الغرض! حضرت کی زیرنگرانی اور آپ کی سرپرستی میں ادارہ ترقی کی منازل طے کرتا رہا۔

کسی بھی مشکل سے ہار نہیں مانی

جامعہ کا جائے وقوع ایسا ہے کہ اس کے بالکل قریب ہی منڈھولا ندی (mindhola river) بہہ رہی ہے، یہ وہ زمانہ ہے کہ اس دور میں تقریباً ہر سال موسم باراں میں سیلاب اور باڑ آتی تھی، نیز جامعہ جہاں قائم کیا گیا وہ حصہ ایک دم نیچا تھا (سطحی تھا) جس کی وجہ سے جامعہ میں پانی بھر جاتا تھا، اور کئی مرتبہ ایسا بھی ہوا کہ اس میں زہریلے جانور بھی بہہ کر آجاتے تھے، حضرت قاری صاحب نے ہمت اور حوصلہ بلند رکھا اور دھیرے دھیرے وہ سارا حصہ جہاں موسم باراں میں پانی بھر جاتا تھا اس کو مٹی ڈال کر بلند اور اونچا کر دیا گیا، بعد میں تو ادارہ نے تعلیمی اور تعمیری کام میں ایسی ترقی کی کہ ماضی قریب میں اتنے کم وقت میں ایسی تعلیمی اور تعمیری ترقی کہیں دیکھی نہیں گئی۔

آج کا جامعۃ القراءت

آج کا جو جامعۃ القراءت ہے اس میں عالیشان مسجد ہے، بہترین لائبریری ہے، عمدہ مہمان خانہ ہے، درجہ حفظ اور درجہ عالمیت کی دیدہ زیب عمارتیں ہیں، دیکھنے لائق دفتر اہتمام ہے، اساتذہ کی سواری پارک کرنے کے لئے بہترین اسٹینڈ ہے (کار پارک ہے) اساتذہ کی رہائش کے لئے خوشنما مکانات ہے وغیرہ

وغیر سچ کہوں تو جامعۃ کی عمارتیں اتنی دلکش اور دیدہ زیب ہے کہ اس کے قریب سے گذرنے والا اس پر ایک طائرانہ نظر ڈالے بغیر آگے نہیں بڑھ سکتا، یہ ادارہ جہاں قائم کیا اس میں آپ کو ایک یہ بھی مدد الٰہی شامل رہی کہ آپ کو وافر مقدار میں اراضی مل گئی، ایک فائدہ یہ بھی ہوا کہ یہ ادارہ گاؤں سے باہر ہے اس کے بھی کچھ فوائد ہے جس کے ذکر کا یہ موقع نہیں ہے۔

احیاءِ سنت

یہ ادارہ سرزمین کفلیتہ میں واقع ہے، جہاں کے ایک بڑے عالم دین حضرت مولانا عبدالحئی کفلیتوی مشہور و معروف عالم دین ہے، تو کہہ سکتے ہیں کہ مولانا عبدالحئی کی دھرتی پر قاری صاحب نے سنت کا احیاء کر دیا۔

نیک فالی

گاؤں کفلیتہ سورت ضلع کا آخری گاؤں ہے، یہ ادارہ اس کی بارڈر پر واقع ہے، اس کے ساتھ ہی ایک پل آتا ہے جو آدمی کو سورت ضلع کی حدود سے نوساری ضلع کی حدود میں داخل کر دیتا ہے، اور نوساری کی طرف سے کوئی آئے تو نوساری ضلع کی حدود ختم ہوتی ہے اور سورت ضلع کی حدود میں وہ داخل ہو جاتا ہے، جیسے ہی داخل ہوتا ہے قاری صاحب کا قائم کردہ ادارہ دائیں جانب واقع ہے، اس سے میں دو نیک فالی لیتا ہوں ایک تو یہ کہ اس زندگی کے بعد جو اگلی زندگی ہے اس میں سب کو پل صراط سے گذرنا ہے گذرنے والے کے لئے یا تو

جنت ہے یا جہنم ہے تو جیسے اس ظاہری پل سے گذر کر قاری صاحب کی منزل یعنی جامعہ آجاتا تھا اللہ تعالی ان کو وہاں بھی اس سے عافیت سے گذار کر ان کی حقیقی منزل پر پہنچادے گا یعنی جنت میں، دوسری نیک فالی حضرت کا گاؤں جیسا کہ پیچھے ذکر کیا ڈابھیل تھا، ڈابھیل سے جامعہ آؤ تو جامعہ دائیں ہاتھ پر پڑتا ہے انسان دنیا سے زندگی گذار کر جائے گا تو ایک وقت ایسا آنا ہے کہ ہر ایک کے ہاتھ میں اس کا نامہ اعمال (ایک پروانہ دیا جائے گا) قرآن جس کو یوں تعبیر کرتا ہے ''واما من اوتی کتبه بشماله الخ نیز فرمایا واما من اوتی کتبه بیمینه الخ تو جس کو دائیں ہاتھ میں اعمالنامہ دیا جائے گا وہ اس کے کامیابی کی ضمانت ہوگی، تو یہاں بھی جامعہ ان کے دائیں ہاتھ پر پڑتا تھا، تو روزانہ ایک خیر کے کام کے لئے تشریف آوری ہوتی تھی اور وہ دائیں ہاتھ پر پڑتا تھا اللہ کی ذات سے امید ہے کہ وہاں بھی ان کا شمار ''اصحاب الیمین،، میں ہوگا۔

امن ہائی اسکول کی بنیاد

موجودہ دور میں علمی فنون جس کو دنیوی تعلیم سے تعبیر کیا جاتا ہے کا حصول بھی ایک حد تک ضروری ہوگیا ہے، اب یا تو اسے اسلامی ماحول سے ہٹ کر اور کٹ کر سکھایا اور سیکھا جا سکتا ہے اور دوسرا طریقہ ہے اسلامی ماحول میں رہ کر جسے اسلامی اسکول بھی کہا جاتا ہے، حضرت قاری صاحب نے علاقہ میں اسلامی اسکول کی ضرورت کو محسوس کیا اور ''امن ہائی اسکول،، کے نام سے ڈابھیل میں اسکول کی

بنیاد رکھی جو اپنے مقصد میں کامیاب ہے اور دھیرے دھیرے ترقی کی منازل طے کررہا ہے (اسے نام تو اسلامی اسکول کا نہیں دیا گیا مگر جس طرح وہ کام کررہی ہے اس کے پیش نظر میں نے یہ اصطلاح استعمال کی ہے)۔

اسلامی اسکول کی اہمیت

پیچھے ایک لفظ ذکر کیا ''اسلامی اسکول،، اسکی اہمیت اور افادیت کیا ہے، اس تعلق سے روزنامہ سہارا اخبار کا ایک طویل اقتباس پیش کرتا ہوں۔

اسلامی اسکول حقیقت میں اسے کہا جاتا ہے جہاں بچے اور بچیوں یا لڑکے اور لڑکیوں کو وہ تعلیم دی جائے یا وہ علم سکھایا اور بتایا جائے جو فطرت سے متصادم نہ ہو، نیچر سے ٹکراؤ نہ ہو، سادگی اور سچائی مجروح نہ ہو، حیاسوزی کا شائبہ نہ ہو، انسانیت کی گراوٹ اور اخلاق میں بگاڑ پیدا نہ ہو بلکہ بچے بچیوں لڑکے لڑکیوں میں تہذیب وشائستگی پیدا ہو، عقل ودانش کو جلا ملے، سیرت وکردار کی تعمیر ہو، چھوٹوں میں بڑوں کا احترام پیدا ہو، اور بڑے چھوٹوں سے شفقت ومحبت سے پیش آئے، غیر اسلامی اسکول مذکورہ اسکول سے مختلف ہوتا ہے، ایسے اسکول میں بچے زبان سیکھتے ہیں، ریاضی کے علم سے بھی فیضیاب ہوتے ہیں، تاریخ اور جغرافیہ سے بھی بہرہ مند ہوتے ہیں، جیومیٹری بھی پڑھائی جاتی ہے، مگر اخلاق ومذہب کا وہاں گذر نہیں ہوتا اور نہ ہی خدائی ہدایت کی بات کی جاتی ہے اور نہ آخرت زیر بحث آتا ہے، بچوں کی معصومیت زائل ہوجاتی ہے، سادگی اور سچائی پر حرف

آتا ہے، جھوٹ، لالچ، سنگدلی بے رحمی اور بے ایمانی جیسے رذائل سے بھی بچ نہیں پاتے۔

وہ ذخیرۂ معلومات ہے، علم نہیں

دراصل وہ علم حقیقی علم کہلاتا ہے جو حقیقت مطلقہ تک رسائی میں مدد دے، باقی جو کچھ ہے وہ ذخیرۂ معلومات ہے، علم نہیں، اسلامی نقطہ نظر سے حقیقت مطلقہ اللہ تعالی کی ذات ہے، اور حقیقی علم وہ ہے جو اللہ تعالی کی ذات وصفات اور اس کی رضا کی معرفت میں مدد دے، باقی جو کچھ ہے وہ معلومات کے درجہ میں قابل توجہ ہوسکتا ہے لیکن اس میں شرط ہے کہ وہ حقیقی علم سے نہ ٹکرائے، اگر وہ حقیقی علم سے ٹکرانے لگے یعنی معرفت الٰہی کے راستہ میں رکاوٹ بننے لگے تو ظاہری شکل میں وہ خواہ کتنی ہی دلکش معلومات وانکشافات کا مجموعہ ہو لیکن حقیقت میں وہ علم کے بجائے نری جہالت ہوگی، یہی وجہ وکیفیت تھی جس کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دور کے ایک دانشور intelectuall سمجھے جانے والے عمرو بن ہشام کو ابوجہل کا لقب دیا تھا یعنی جہالت کا مجسمہ، جگر مرادآبادی نے اہل عقل کی جہالت کو یوں بیان کیا ہے۔

جہل خرد نے کیا دن دکھلائے
گھٹ گئے انساں بڑھ گئے سائے

عقل چراغ راہ ہے منزل نہیں

عقل بیکار چیز نہیں ہے مگر عقل ہی سب کچھ نہیں ہے، اسی لئے علامہ اقبالؒ نے عقل کو چراغ راہ کہا ہے مگر یہ بھی کہا ہے کہ یہ منزل نہیں ہے۔ اور ملت کے نوجوانوں سے اکبر نے کہا تھا۔

شوق سے کالج میں پڑھو پارک میں پھولو
جائز ہے غباروں میں اڑو چرخ پہ جھولو
بس اک سخن بندۂ عاجز کا رہے یاد
اللہ کو اور اپنی حقیقت کو نہ بھولو

علامہ اقبالؒ نے بھی اسی عبوری راستے transitive period کو اپناتے ہوئے اپنے بیٹے جاوید اقبال اور ملت کے دیگر نوجوانوں کو آگے بڑھنے اور ترقی کرنے کی تعلیم دی۔

جوہر میں ہو لاالہ تو کیا خوف
تعلیم ہو گو فرنگیانہ
شاخ گل پر چہک و لیکن
کر اپنی خودی میں آشیانہ

بہر حال! دنیوی فنون کا حصول بھی ضروری ہے، اور حاصل کرنا وقت کی ضرورت اور تقاضا بھی ہے مگر وہی بات کہ اپنی خودی اپنی حقیقت اور اللہ کو نہیں

بھولنا ہے، جیسے انگریزی دواؤں کے سائیڈ افیک ہوتے ہیں ویسے ہی یہ جوفنون ہے اس کے بھی سائیڈ افیک ہے اور وہ ہے ذات خدا کا انکار، تو اس کے لئے ضروری ہے کہ جیسے سانپ کے بل میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے اس کو پکڑنے اور مارنے کا فن آنا اور سیکھنا پڑتا ہے اور وہ ہے دینی علوم اور ساتھ دینی ماحول وہی چیز فراہم کی حضرت قاری اسماعیل صاحب مرحوم نے ''امن ہائی اسکول میں،، اوپر جو سائیڈ افیک کی بات کی اس جانب اقبال نے اشارہ کیا ہے جو اسی ماحول میں پل کر اور پڑھ کر بڑے ہوئے تھے، اقبال نے کہا ہے ۔

خوش تو ہیں ہم بھی جوانوں کی ترقی سے مگر
لب خنداں سے نکل جاتی ہے فریاد بھی ساتھ
ہم سمجھتے تھے کہ لائے گی فراغت تعلیم
کیا خبر تھی کہ چلا آئے گا الحاد بھی ساتھ

شفاخانہ ایک ایسا ادارہ ہے جس سے......

صحت سے متعلق اداروں کی خصوصی اہمیت یہ ہے کہ معاشرے کا ہر شخص عمر کے ہر ہر مرحلے میں ان سے مستفید ہوتا ہے، تعلیمی اداروں سے لوگ بالعموم صرف بچپن یا نوعمری ہی میں فائدہ اٹھاتے ہیں، رفاہی مالیاتی اداروں سے سماج کا محروم طبقہ ہی فیض یاب ہوتا ہے لیکن شفا خانہ ایک ایسا ادارہ ہے جس سے امیر غریب، چھوٹا بڑا، مرد عورت ہر ایک استفادہ کرتا ہے، صحت مند لوگوں کو بھی کبھی

کبھی ہی سہی شفاخانے جانے کی ضرورت پیش آتی ہے،علاج کے علاوہ طبی معائنوں اوراحتیاطی تدابیر کے لئے بھی اب لوگوں کا رجوع کافی بڑھ چکاہے،عام طور پرزندگی کی ابتدایعنی ولادت بھی شفاخانے میں ہوتی ہےاورزندگی کا خاتمہ بھی بالعموم شفاخانے کےبستر ہی پر ہوتا ہے۔

دوااورعلاج

دوا اور علاج اللہ تعالی کی عطا ہےجس سے ممکنہ حدتک فائدہ اٹھانا اس کا حکم ہے،حدیث میں آقا کا ارشاد ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ اے اللہ کے بندوں! بیماریوں کا علاج کیا کرواللہ تعالی نے کوئی ایسی بیماری نہیں پیدا کی ہےجس کا علاج نہ پیدا کیاہوسوائے بڑھاپے کے(مسند احمد)

یادرکھنےلائق بات

ہاں اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ علاج کےدوران بھی اصل بھروسااورتوکل اللہ تعالی ہی پرہونا چاہیئے،علاج اور دوامحض ایک ذریعہ اورسبب ہےجس سے بے نیاز نہیں ہوناہے،قرآن کریم میں ہے’’و اذا مرضت فھو یشفین ،،اورحدیث پاک میں ہے’’کان اذا اتی مریضا او اتی بہ قال اذھب الباس رب الناس اشف و انت الشافی لا شفاء الا شفاء ک شفاءً لا یغادر سقما، ،(متفق علیہ)جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی مریض کے پاس جاتے یا مریض آپ کے پاس لایاجاتا تو دعا فرماتے،اے انسانوں کے رب! بیماری دور

کردے، شفا عطا فرما تو ہی شفا دینے والا ہے، تیری شفا کے علاوہ کوئی شفا نہیں، ایسی شفا دے جس کے بعد کوئی بیماری باقی نہ رہے۔

بہر حال! ملک کے جو موجودہ حالات ہے اس کے پیش نظر مسلم علاقوں میں ہسپتال کی اور خاص طور سے اپنے اور خود کی کمیونٹی کے ہسپتال کی اہمیت اور بھی زیادہ بڑھ گئی ہے، اسی اہمیت کا احساس کر کے حضرت قاری صاحب مرحوم نے ایک چھوٹا سا ہسپتال کہہ لیجئے یا clinic کہہ لے پہلے سے ڈابھیل میں بنام ''گارڈی ہسپتال،، قائم تھا اس میں توسیع کی اور اسے واقعی ہسپتال بنا دیا، ماضی قریب میں جو کووڈ ۱۹ کی وبا پھیلی تھی اس میں بھی ہسپتال نے اپنی حد تک جتنے وسائل تھے بہترین سروس پیش کی۔

ساتھ ہی ایک اہم کام یہ کیا کہ ہسپتال کے ساتھ ایک عبادت خانہ (مسجد) تعمیر کرائی جس سے مریض کے ساتھ رہنے اور رکنے والے حضرات نماز ادا کر سکے۔

جامعۃ القراءت سے بندے کا جڑاؤ

بندے کا تدریسی سفر جامعۃ القراءت سے شروع ہوا، حضرت قاری صاحب مرحوم نے رمضان المبارک میں ایک روز بندے کو جامعۃ القراءت کفلیۃ طلب کیا اور دو خوش خبری سنائی (۱) بندے کا رمضان المبارک کے بعد جامعہ میں بطور مدرس تقرر (۲) رمضان المبارک کے بعد ڈابھیل کی مشہور و قدیم عید گاہ میں عید

الفطر کی نماز سے پہلے بندے کا بیان، حضرت قاری صاحب نے مجھ سے پوچھے بغیر ہی ڈابھیل عیدگاہ میں میرا بیان طے کر دیا تھا، دوسری پیشکش سن کر تو بندہ مجسم حیران رہ گیا اور سوچ میں پڑ گیا کہ ؎

کہاں میں اور کہاں یہ نکہت گل
نسیم صبح تری مہربانی

عید الفطر کی نماز کے بعد حضرت مرحوم اولاً بندے کو اپنے ساتھ ڈابھیل کے قبرستان لے گئے، بزرگوں کی قبروں پر فاتحہ خوانی کی، بعدہ حضرت مرحوم مجھے اپنے ساتھ اپنے دولت کدہ پر لے گئے، دسترخوان سجا ہوا تھا اور بہترین پکوان تیار کئے گئے تھے، میرے ساتھ میرے خالہ زاد بھائی مولانا محمد پٹیل کفلیتوی حال مقیم نیوزلینڈ بھی ساتھ تھے۔

ایک خاص سوچ اور اس میں کامیابی

بندے نے تقریباً ڈیڑھ سال جامعہ میں تدریسی خدمت انجام دی، سال اول درجہ حفظ اور سال دوم فارسی اول کی تدریس ذمہ میں رہی، دوران تدریس ایک خاص چیز جو بندے نے نوٹ کی وہ یہ تھی کہ حضرت مرحوم کی سوچ یہ تھی کہ جامعۃ القراءت کے قرب و جوار میں جو بستیاں ہیں وہ نیز سرزمین گجرات سے تعلق رکھنے والے طلباء میں دینی تعلیم کا ذوق وشوق پیدا کیا جائے، اس کی خاطر مرحوم نے ایسی رخصتیں اور سہولتیں طلباء کو دیں جس کا تصور بھی دیگر جامعات میں نہیں کیا جا سکتا تھا،

چنانچہ اس کا اثر بھی ہوا کہ کفلیتہ، لاجپور، ڈابھیل، آشنا، کالا کاچھ، اون، کچھولی، ویسما، اکلیرا وغیرہ کے جتنے طلباء نے جامعۃ القراءات کفلیتہ میں داخلہ لیا اس سے آدھی تعداد بھی گجرات کے کسی دینی جامعات میں گجراتی طلباء اور جتنے بھی گجرات میں جامعات ہیں ان جامعات میں قرب و جوار کے طلباء کی اتنی تعداد نہیں ہوگی جتنی یہاں پر تھیں، رخصت میں یہ تھا کہ قریب کے طلباء کو روزانہ شام کو اپنے گھر پر جانے کی اجازت تھی، قرب و جوار کے اکثر طلبہ شام کا کھانا بھی اپنے گھر پر ہی کھاتے تھے یا ساتھ لیکر آتے تھے، نیز شام کو انہیں اپنے گاؤں میں جا کر کھیلنے کا موقع بھی مل جاتا تھا، کچھ طلباء کبھی کبھار رات کو بھی گھر چلے جاتے تھے، مرحوم جانتے بجھتے انجان رہتے تھے، قرب و جوار کے طلباء کو سائیکل یا موٹر بائیک (یہ تعداد گرچہ بہت ہی کم تھی) مدرسہ میں رکھنے کی اجازت تھی، نیز خوشی وغمی کے موقعہ پر طلباء کو بآسانی اپنے گھر جانے کی رخصت مل جاتی تھی، مرحوم کی طرف سے اساتذہ کو ایک خاص نصیحت یہ بھی ہوتی تھی کہ ویسے تو سبھی طلباء کے لئے مگر بالخصوص قرب و جوار کی بستیوں کے طلباء پر ضرب یضرب کے گردان کی عملی مشق نہ کی جائے، ساتھ ایک کام یہ بھی کیا کہ شروع میں اساتذہ کی ایک اچھی خاصی تعداد قریب کے علاقہ سے تعلق رکھنے والے کی تھی، نہ صرف یہ کہ طلباء کے ساتھ رعایت روا رکھی بلکہ اساتذہ کے ساتھ بھی رعایت کا معاملہ برتا ان میں ایک عمل یہ بھی تھا کہ عصر کے بعد کا جو فارغ وقت

ہوتا ہے اس میں اساتذہ کو کرکٹ اور والی بال کھیلنے کی اجازت تھی، نیز ایک عمل ایسا بھی تھا جو دیگر جامعات میں دیکھنے کو نہیں ملتا وہ یہ کہ روزانہ دوپہر میں جو پڑھائی ہوتی ہے اس میں اساتذہ کو فری میں چائے پیش کی جاتی تھی۔

توکل

انجام اس کے ہاتھ ہے آغاز کرکے دیکھ
بھیگے ہوئے پروں سے ہی پرواز کرکے دیکھ

حضرت قاری صاحب مرحوم کے اوصاف حسنہ میں سے ایک اہم وصف تھا اللہ تعالی کی ذات پر یقین اور توکل اور یہ بہت بڑا وصف ہے، شاعر کہتا ہے ۔

یقیں محکم عمل پیہم محبت فاتح عالم
جہاد زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

قرآن وحدیث میں توکل علی اللہ کا بار بار حکم دیا گیا ہے، قرآن کریم میں سات مرتبہ ''وعلی اللہ فلیتوکل المومنون ،، فرما کر مومنوں کو صرف اللہ تعالی پر توکل کرنے کی تاکید کی گئی ہے، مولانا ظفر علی خاں کا اس حوالے سے ایک شعر ہے، فرمایا کہ ۔

توکل کا یہ مطلب ہے کہ خنجر تیز رکھ اپنا
پھر انجام اس کی تیزی کا مقدر کے حوالے کر

مفہوم یہ کہ خداوند تعالی نے جس قدر اسباب پیدا کئے ہیں ان کو پوری

طرح استعمال کرنے کا نام توکل ہے، نہ کہ انہیں ترک کرنا، مولانا یہ کہنا چاہتے ہیں کہ انسان اپنے تمام وسائل کے استعمال اور کوششوں کو آب خنجر کی طرح تیز رکھے، پوری طرح سرگرم عمل رہے، کوئی کوشش اور دقیقہ اپنی طرف سے اٹھا نہ رکھے اور پھر دیکھے اس کی کوششوں کے نتیجہ میں اسے تائید خداوندی کس طرح کامران و سرخرو کرتی ہے، حضرت قاری صاحب کا معاملہ بھی بالکل ایسا ہی تھا۔

حوصلہ وہمت

منزل انہی کو ملتی ہے جن کے حوصلوں میں جان ہوتی ہے
پنکھ سے کچھ نہیں ہوتا حوصلوں سے اڑان ہوتی ہے

چلے چلیئے کہ چلنا ہی دلیل کامرانی ہے
جو تھک کر بیٹھ جاتے ہیں وہ منزل پا نہیں سکتے

دوسرا اہم وصف تھا حوصلہ وہمت، کسی بھی عظیم مقصد کو حاصل کرنے کے لئے یہ وصف کلیدی حیثیت رکھتا ہے، کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

حوصلہ ہو تو کیا نہیں ہوتا
بات یہ ہے کہ حوصلہ نہیں ہوتا

ایک اور شاعر کہتا ہے ۔

لاکھ دلدل ہو پاؤں جمائے رکھئے
ہاتھ خالی ہی سہی اوپر اٹھائے رکھئے
کون کہتا ہے چھلنی میں پانی رک نہیں سکتا
برف بننے تک حوصلہ بنائے رکھئے

حضرت قاری صاحب میں یہ وصف کوٹ کوٹ کر بھرا تھا۔

ہمت مرداں مدد خدا

مشکل اس دنیا میں کچھ بھی نہیں
پھر بھی لوگ اپنے ارادے بدل دیتے ہیں
اگر سچے دل سے ہو چاہت کچھ پانے کی
تو راستے کے پتھر بھی اپنی جگہ چھوڑ دیتے ہیں

مشہور محاورہ ہے ''ہمت مرداں مدد خدا،، حضرت قاری صاحب ہمت کرتے گئے اور خداوند قدوس ان کی مدد کرتا گیا، کہتے ہیں کہ خواب وہ نہیں ہوتے جو سونے پر آتے ہیں بلکہ خواب وہ ہوتے ہیں جو سونے نہیں دیتے، حضرت قاری صاحب کا معاملہ ایسا ہی تھا، حضرت مرحوم نے جو خواب بھی دیکھا اسے پورا کیا۔

خوش قسمتی

حضرت قاری صاحبؒ کی یہ خوش قسمتی تھی کہ انہیں اپنے دور اہتمام میں جو

افراد، جو عملہ، جو خدام میسر آئے ان میں بعض افراد ایسے تھے جو کئی خوبیوں کے مالک تھے، حضرت قاری صاحب نے ان سے بخوبی کام لیا، حضرت قاری صاحبؒ کے قائم کردہ جو بھی ادارے ہیں ان کی ترقی میں ان کا بھی اہم کردار رہا ہے، ایک بات اور مرحوم کو اپنے دور اہتمام میں دیگر مہتمم کی طرح کچھ کڑے فیصلے لینے پڑے، کچھ طلباء اور کچھ اساتذہ کا مدرسہ سے اخراج بھی کرنا پڑا اور ایسے فیصلے لینا بڑا کٹھن ہوتا ہے اس کے نتیجہ میں جو کچھ باتیں ہوتی ہیں وہ حضرت کو لیکر بھی ہوئی ہوگی۔

اذکروا محاسن موتاکم و کفوا عن مساویھم

آقا کا ارشاد ہے عیاں کرو
مرنے والے کی خوبیاں بیاں کرو
یعنی نہ کرو جانے والے کی برائیاں
ہو سکے تو انہیں پڑھ کر بخش دیا کرو

انسان میں خوبی اور خامی دونوں ہی ہوتے ہیں جو...

بندے نے مذکورۂ بالا حدیث کے پیش نظر مرحوم کے چند اوصاف حسنہ کا ذکر کیا، دیکھئے، ہر انسان میں خوبی اور خامی دونوں ہی ہوتی ہے، اب دیکھنے والے پر ہے وہ کسی بھی انسان میں اگر کچھ تراشے گا تو اسے خوبی نظر آئے گی اور تلاشے گا تو خامی نظر آئے گی، کسی نے کیا خوب کہا ہے ۔

عیب بھی بہت ہے مجھ میں اور خوبیاں بھی
ڈھونڈھنے والے تو سوچ تجھے چاہئے کیا مجھ میں

یہ بات ہر انسان پر لاگو ہوتی ہے، میرے اس مضمون کا مقصد ہرگز یہ نہیں ہے کہ مرحوم صرف خوبیوں کا مجموعہ تھے، خود حدیث مبارکہ میں ہے "**کل بنی آدم خطائون، وخیر الخطائین التوابون**"، (ترمذی)

ہر انسان میں خوبی بھی ہوتی ہے اور خامی بھی، شاعر کہتا ہے ۔

سڑک کتنی بھی صاف ہو دھول ہو ہی جاتی ہے
آدمی کتنا بھی اچھا ہو بھول ہو ہی جاتی ہے

اس پر بندے کی اک رباعی ہے ۔

کون ہے جو خطا سے پاک ہے
وہ تو صرف خدا کی ذات ہے
انسان سے تو غلطی سلام
ہوتی رہتی دن رات ہے

البتہ بندے کا مزاج یہ ہے کہ ۔

بغض اور حسد سے دل خالی رکھئے
اپنے کردار کو مثالی رکھئے
جو داد کے قابل ہو اسے دیجئے داد

دشمن ہی سہی ظرف تو عالی رکھئے

قدر کرنے والوں کی کمی نہیں ہے

حضرت قاری صاحبؒ کی زندگی سے ایک اہم سبق ہمیں یہ بھی ملتا ہے کہ اگر آدمی قوم وملت اور انسانیت کے لئے کچھ کر گذرنے کا حوصلہ رکھتا ہے اور اس کی خاطر دن رات ایک کردیتا ہے اور قوم کے سامنے اپنا کام پیش کرتا ہے تو دامے، درمے، سخنے امداد کرنے والے ساتھ دینے اور ساتھ چلنے والوں کی بھی کمی نہیں ہے، قوم ایک مرتبہ کام سے مطمئن ہوتی ہے تو پھر اس کے ہر اچھے کام میں اس کا ساتھ دیتی ہے اور اس کی قدر کرتی ہے، اکبرالہ آبادی کہتے ہیں ۔

ہجوم بلبل ہوا چمن میں کیا جو گل نے جمال پیدا
کمی نہیں ہے قدرداں کی اکبر کرے تو کوئی کمال پیدا

مہکنا اور مہکانا تو کام ہے خوشبو کا
خوشبو نہیں محتاج ہوتی قدر دانوں کی

کیسے کہدوں تھک گیا ہوں میں

حضرت قاری صاحب نے کئی کام اپنے ذمے لے رکھے تھے، پچھلے کچھ عرصہ سے مرحوم بیمار چل رہے تھے، طبیعت یہ پیغام دے رہی تھی کہ اب مکمل آرام کرنا چاہئے، مگر مرحوم کا دل یہ کہتا تھا کہ ۔

کیسے کہدوں کہ تھک گیا ہوں میں
نہ جانے کتنے لوگوں کا حوصلہ ہوں میں

ہمیں جگانے کے لئے لوگ روئیں گے

بہرحال! مرض تو لاحق تھا ہی، علاج بھی چل رہا تھا، دوائی بھی لے رہے تھے مگر وہی بات کہ ۔

دوا تاثیر کھو بیٹھی
دعا کا وقت آپہنچا
بیماری تو اک بہانہ تھی
قضا کا وقت آپہنچا

وقت اجل آپہنچا اور قوم وملت کا تھکا ہارا مسافر گہری نیند سو گیا ۔

نیند آئے گی تو اس قدر سوئیں گے
ہمیں جگانے کے لئے لوگ روئیں گے

خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں جانے والے میں

اکبر الہ آبادی نے سرسید احمد خاں کے تعلق سے جو لکھا تھا وہی بات میں حضرت مرحوم کے لئے کہوں گا کہ ۔

ہماری باتیں ہی باتیں ہیں سید کام کرتا تھا
نہ بھولو فرق جو ہے کہنے والے کرنے والے میں

کہے جو چاہے کوئی میں تو کہتا ہوں کہ اے اکبر
خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں

دعائیہ کلمات

اخیر میں دعا ہے کہ اللہ تبارک وتعالی مرحوم کی تمام دینی وملی خدمات کوقبول فرمائے،ان کے درجات کو بلند فرمائے،جنت الفردوس میں اعلی مقام نصیب فرمائے،بشری تقاضے کی وجہ سے جوکمی کوتاہی ہوگئی ہواسے معاف فرمائے،سیآت کو حسنات سے مبدل فرمائے،تمام پسماندگان کو صبر جمیل و اجر جزیل عطافرمائے،ان کی تمام خدمات کوان کے حق میں صدقہ جاریہ بنائے،اوران کے لگائے تمام گلشن کوتا قیامت سرسبز وشاداب اورمہکتار کھے،مولانا یوسف کوان کا صحیح جانشین بنائے۔آمین

بندے سے لکھنے میں کچھ کمی کوتاہی یا مبالغہ آرائی ہوگئی ہوتو اللہ تعالی اسے معاف فرمائے۔

خادم قرآن چلا گیا

خادم قرآں چلا گیا
جاتے جاتے سب کو رلا گیا
جو تھے قرآن سے دور
ان کو عاشق قرآں بنا گیا
دور مادیت میں بھی
روحانی جام پلا گیا
تھے خود بھی حافظ قرآن
سینکڑوں کو حافظ قرآں بنا گیا
جو بھی ملتا تھا ان سے
ہوتا تھا متاثر ان کی دھن سے
پاتا تھا قوت و حوصلہ
ان کے طرز سخن سے
تھی خوش قوم و ملت ان کے کام سے
ملتے تھے مسکرا کر ہر خاص و عام سے
رکھتے تھے محبت دینی خدام سے
جڑی تھی نسبت علمی خاندان سے

اپنی کوشش و محنت سے
ملت کے حالات بدل گئے
بنا کے ان کی خاطر
اسکول جامعہ ہوسپٹل گئے
ان کی کیا کیا خوبیاں عیاں کرے
حوصلہ نہیں ہے کہ سب کچھ بیاں کرے
ہے بس گذارش یہی
حق میں ان کے ہم دعا کیا کرے
ہے دعا شب و روز یہی سلام کی
آمین ہو اس پر آپ تمام کی
مقبول آپ کی ساری خدمات ہو
تربت پہ آپ کی رحمت کی برسات ہو
عطا آقا کے ہاتھوں کوثر کا جام ہو
اور فردوس میں بلند آپ کا مقام ہو

(عبدالسلام لاچپوری)